پاکستان میں لکھے گئے مصر کے جزوی سفر نامے۔۔۔ایک مختصر جائزہ

ڈاکٹر روبینہ رفیق/ عالیہ مجید

ABSTRACT:

Travelogue is an important branch of Urdu literature. Many renowned writers have given their own styles and own crafts to Urdu travelogues. The Travelogue can be divided according to the subject and travelling areas etc. The most of Urdu travelogues are written on the travels of Saudi Arabia (Hajj), India and northern areas. Hajj travels are completely religious. Northern areas travelogues have a purely recreational style, but the travels of Islamic Republic of Egypt have both styles, religious as well as recreational. So the travelogues of Egypt have this spatiality that their study has comparatively vast aspects and topics. This article focuses only those travelogues which describe any partial travel of Egypt. It means that the writer of the travelogue had a journey of different countries including Egypt.

سفر نامہ بھی دیگر اصنافِ ادب کی طرح اپنے تخلیق کار کے ذہنی رجحانات اور میلانات کی عکاسی کرتا ہے۔ سفر نامہ نگار اپنے سفر کی روداد ذاتی محسوسات کے حوالے سے مرتب کرتا ہے۔ سفر کی غرض و غایت کچھ بھی ہو مگر سفر نامہ کو مصنف کی ذہنی رسائی سے ہٹ کر نہیں دیکھا جاسکتا اس لیے بعض سفرناموں میں تاریخی اور جغرافیائی معلومات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور بعض میں تہذیبی وثقافتی رجحانات پر۔ کچھ سفر نامے ابتدا ہی میں مقصد متعین کر کے مرتب کیے جاتے ہیں۔

سرزمینِ مصر اپنی قدیم تہذیب وتمدن کے حوالے سے دنیا بھر کے سیّاحوں کے لیے ہمیشہ پر کشش رہی ہے۔ اس پُر اسرار خطے میں لوگ نہ صرف سیر و سیّاحت کے لیے جاتے رہے ہیں بل کہ اپنے سفری مشاہدات کو سفرناموں

کی شکل بھی دیتے رہے ہیں۔مصر کے سفرنامے لکھنے والوں میں کئی صاحبِ طرز ادیب بھی شامل ہیں۔قیامِ پاکستان کے بعد اب تک چھبیس سفرنامے ایسے لکھے گئے ہیں جن میں دوسرے ممالک کے اسفار کے ساتھ ساتھ سرزمینِ مصر کے سفر کا ذکر بھی ہے۔اس باب میں ہم اشاعت کی زمانی ترتیب کے حوالے سے ان تمام سفرناموں کا جائزہ لیں گے۔

''سفرنامۂ صارم'' ازعبدالصمد صارم:

قاضی عبدالصمد صارم فاضل الجامعہ الازہر،سیوہار(بجنور) انڈیا میں پیدا ہوئے۔اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی کے شعبۂ عربی سے منسلک رہے۔انھوں نے مصنف اور مترجم کی حیثیت سے بیش بہا ادبی اور دینی خدمات سرانجام دیں۔''تاریخ القران''،''تاریخ تفسیر''،''تاریخ حدیث''،''تاریخ الفقہ''،''تاریخ تصوف''،'' شرح اسماء الحسنٰی''،''اخلاقِ القرانیہ'' اور''علم العروضِ اردو'' کے علاوہ''اردو قواعد و انشا'' کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی اور ''اخلاقی کہانیاں'' کے عنوان سے عربی اور فارسی سبق آموز کہانیاں بچوں کے لیے اردو میں ترجمہ کیں۔۲۹ ستمبر ۲۰۰۴ء کو ان کا انتقال ہوا۔(۱)

''سفرنامۂ صارم'' قاضی عبدالصمد صارم کے مصری سفر کی روداد ہے جو کہ ۱۹۵۰ء میں قاضی ظہور الحسن ،ناظم ادارۂ علمیہ لاہور کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔عبدالصمد صارم مصر میں ۱۹۳۸ء میں بغرض تحصیلِ علم گئے اور دو سال وہاں قیام کیا۔اس قیام کے دوران میں انھوں نے مصر کے بارے میں اپنے تجربات و مشاہدات کو'' سفرنامۂ صارم'' کی صورت میں قلم بند کیا۔

اس سفرنامہ کے بیس ابواب میں سے پندرہ ابواب اور۱۳۳ صفحات مصر کے بارے میں ہیں۔مصریوں کی مہمان نوازی،خوشی وغم ،مشاغل، آداب، کھانا پینا، پسند وناپسند،معیوب باتیں،لباس سب کچھ صارم کے سفرنامے کا حصہ ہے۔ان باتوں میں صارم کا طرزِ بیان تجربہ کارانہ اور مشاہدہ قابل داد ہوتا ہے:

> ''حقیقت یہ ہے کہ حسن وقبح ایک اضافی چیز ہے اور ماحول سے اس کا بہت زیادہ تعلق ہے۔ ہماری سوسائٹی میں ہزاروں چیزیں ایسی ہیں جو سخت معیوب اور حد درجہ شرم ناک ہیں مگر چوں کہ ہم اِن کے عادی ہو گئے ہیں اس لیے ہمیں کوئی خرابی محسوس نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ غیر ملکیوں کے بعض رسومات سن کر ہمیں ہنسی آتی ہے۔''(۲)

''سفرنامۂ صارم'' اگرچہ مختلف علاقوں یا ملکوں کے سفر کی داستان ہے لیکن اس کا بہت بڑا حصہ سفرِ مصر ہی سے متعلق ہے اور اسی سبب سے''سفرنامۂ صارم'' کو عموماً سفرنامۂ مصر سمجھا جاتا ہے۔مگر اس سفرنامے کی اہم ترین بات اس میں سفری روداد کا فقدان اور عمومی و معلوماتی عناصر کی بھرمار ہے۔اس سفرنامے میں تاریخ اور جغرافیہ کا ایک اچھا اور معلوماتی ذخیرہ ہے۔مصر میں موجود قہوہ خانوں ، باغات، چڑیا گھروں اور مختلف تفریحی مقامات ، اشیائے خورونوش ، امراض وصحت، حکومت اور طرزِ معاشرت وغیرہ کا ذکر اس سفرنامے کو مصر کی معلوماتی دستاویز بناتا ہے۔

''میرا سفر'' از امیر خانم:

امیر خانم کا سفرنامہ ''میرا سفر'' ۲۹۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ سفرنامہ اشرف پریس لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔ یہ سفرنامہ کوئٹہ سے کراچی، کراچی سے بیروت اور (بیروت میں رکے بغیر) انگلینڈ، انگلینڈ سے پورٹ سعید (مصر) اور مصر سے جدہ کی سفری روداد ہے۔ امیر خانم کو اپنی زندگی کے پہلے ہوائی اور بحری سفر کا تجربہ بھی اسی دوران میں ہوا۔ اسی لیے انھوں نے ''میرا سفر'' میں چھوٹی چھوٹی جزئیات بھی لکھ دی ہیں۔ انھوں نے بحری جہاز میں گزرے دن رات اور معمولات کے احوال کے ساتھ ان تمام مسافروں کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے جن کا ان سے واسطہ رہا۔

کئی مقامات پر مصنف نے منظر نگاری سے کام لیتے ہوئے قاری کو لفظی تصویریں دکھانے کی کوشش بھی کی ہے مگر اس سفرنامے کی ایک بڑی خامی اس کا اسلوب ہے جس کی بے ربطی نے سفرنامے سے لطف کے عنصر کو ختم کر ڈالا ہے۔ مصنف کی تحریر نہ صرف بے جان ہے بل کہ جملے ٹوٹے پھوٹے اور غیر مربوط ہیں۔ کئی مقامات پر جملے کے اختتام کا پتا تک نہیں چلتا۔ ایک ادھورے جملے میں مصنف دوسرا جملہ جوڑ کر تحریر کو مبہم اور بے رنگ کر دیتی ہیں۔ اسی لیے اس سفرنامے کے آخر میں مصنف نے ایک معذرت نامہ تحریر کیا ہے جس میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اس میں کتابت کی بہت غلطیاں رہ گئی ہیں۔ مصنف کا یہ بیان گواہ ہے کہ وہ خود بھی تحریر کی ان غلطیوں سے واقف ہیں مگر کتاب کی ایک خوبی کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے خود ہی یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ:

> ''بعض باتیں اس کتاب میں ایسی تھیں ذرا اصلاحی قسم کی جس کی وجہ سے میں نے اس کتاب کو ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کی بجائے کتاب کی صورت میں آپ صاحبان کی خدمت میں پیش کر دیا۔''(۳)

امیر خانم نے غالباً سفرنامے میں سادگی اور روانی کا عنصر قائم رکھنے کے لیے اسے عام بول چال کے انداز میں لکھنے کی کوشش کی ہے جس سے نہ تو اس سفرنامے میں کوئی ادبیت پیدا ہو سکی ہے اور نہ ہی تحریر میں کوئی جان باقی رہی ہے۔

''نظرے وخوش گزرے'' (مقاماتِ مقدسہ اور سیاحت یورپ کے حالاتِ سفر) از عبدالحمید خان:

عبدالحمید خان کے والد عبدالمجید خان لاہور کے معروف پبلشرز فیروز سنز سے وابستہ تھے۔ عبدالحمید خان نے بھی اسی ادارے سے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز کیا اور فیروز سنز کے جنرل منیجر کے طور پر بھی خدمات سرانجام دیں(۴)۔ عبدالحمید خان کا سفرنامہ ''نظرے وخوش گزرے'' ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ اس میں ۱۵ ممالک کی سیر کا حال درج ہے۔ یہ سفرنامہ ۳۱۰ صفحات پر مشتمل ہے جن میں مصر کی سیر کا حال ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔(۵)

اِس سفرنامے میں مصنف نے سفر کے حالات و کیفیات سے زیادہ مقامات کے بارے میں تاریخی، جغرافیائی اور معاشرتی و تمدنی معلومات دی ہیں جن میں سفرنامہ نگار کے اپنے جذبات کی رنگ آمیزی بھی شامل ہے۔

''نظر نامہ'' از محمود نظامی:

محمود نظامی (۱۹۱۱ء تا ۱۹۶۰ء) ادیب، شاعر اور صحافی تھے۔ مختلف اخبارات اور رسائل سے وابستہ رہے۔ محکمۂ

تعلقاتِ عامہ سے بھی منسلک رہے۔ ریڈیو پاکستان میں ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل کے عہدے پر فائز رہے۔(۶)محمود نظامی کا یہ سفرنامہ ۱۹۵۸ء میں شائع کیا۔ ''نظر نامہ'' مجموعی طور پر مصر کے علاوہ روم، لندن، پیرس اور میکسیکو کے اسفار کی روداد بھی ہے۔ ''عذرِ گناہ'' کے عنوان کے تحت لکھے گئے دیباچے کے بعد سفرنامۂ مصر کا حصہ ''بازارِ مصر'' کے عنوان سے کتاب کا اوّلین باب ہے اور یہی باب ضخامت کے اعتبار سے دیگر اسفار میں سب سے زیادہ طویل ہے۔

محمود نظامی کا یہ سفرنامہ باقاعدہ سفرنامے کی طرز پر نہیں لکھا گیا بل کہ انھوں نے سفر کے مختلف واقعات اور پیش آنے والے مختلف حالات پر دلی کیفیات اور اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ انھوں نے ان علاقوں اور واقعات کے خاص تاریخی یا جغرافیائی پس منظر کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو ان کے راستے میں پیش آتے رہے۔ اس سفرنامے کا بیش تر حصہ ان تہذیبی اور تاریخی واقعات کا بیان ہے جو مصری یا اسلامی تاریخ کا حصہ ہیں۔ اس کے لیے مصنف نے اکثر مقامات پر تلازمۂ خیال کی تکنیک استعمال کی ہے۔ وہ کسی خاص چیز، کسی مقام یا کسی خاص واقعے کو دیکھ کر اس سے متعلق کسی خیال کو اپنے دماغ میں لاتے اور پھر اس خیال کی دنیا ہی میں گم ہو جاتے ہیں۔

محمود نظامی اپنی تحریر کے اعتبار سے ایک تجربہ کار مصنف نظر آتے ہیں اور ان کی تحریر میں وہ پختگی ہے جو ایک منجھے ہوئے اور پڑھے لکھے مصنف کے ہاں نظر آتی ہے۔ ان کے جملے صاف نکھرے ہوئے اور عموماً پُر شکوہ ہوتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

> ''اپنی خونیں تعمیر کے بیس سال کے دوران میں اس حصار نے نہ جانے انسانی ظلم و شقاوت، ذلت و بے آبروئی اور اذیت و درد کے کیسے کیسے جگر خراش المیے اور نمائشِ ثروت اور نمود شوکت کے کیسے کیسے دلفریب مناظر دیکھے ہوں گے۔'' (۷)

اس پختہ تحریر کے ساتھ منظر نگاری اور تشبیہات کے خوب صورت نمونے بھی اس سفرنامے کا ایک بڑا خاصا ہیں:

> ''صحرا کے سرے پر جانبِ مغرب کھجور کے گھنے جھنڈ حجلۂ مشرق سے آہستہ آہستہ سر نکالتے ہوئے سورج کی طلائی کرنوں سے سنہرا رنگ لے کر سونے کی طرح چمک رہے تھے۔ دریا کے ساتھ ساتھ دونوں طرف اونچے اونچے کناروں کی منڈیر پر دور فاصلے میں اونٹوں کی قطاریں تھیں۔''(۸)

> ''باغات اور عمارتیں جو طویل گھاٹ پر بحیرۂ روم کے ساتھ ساتھ دور تک چلی گئی ہیں، پرواز کی بلندی سے یوں دکھائی دے رہی تھیں گویا کسی بوجھل زیور میں بے شمار چھوٹے چھوٹے نگینے جڑے ہوں۔''(۹)

یہ سفرنامہ محمود نظامی کے سفر کی روداد سے کہیں بڑھ کر مصر کی تاریخ پر مبنی دستاویز ہے جس میں کہیں محمود نظامی

مصر کی ترقی اور سیاسی انقلابات کے خیالات میں گم ہو کر ہمیں مصر کا سیاسی ماضی یاد دلانے لگتے ہیں تو کہیں کسی مزار اور کسی تاریخی مسجد کو دیکھ کر ہمیں مصر سے متعلق تاریخِ اسلام کے طویل قصے سنانے لگتے ہیں۔ اس لیے ''نظر نامہ ''میں بیان کردہ اسلامی اور مصری تاریخ میں محمود نظامی کا سفرنامہ اس قدر چھپا ہوا ہے کہ قاری کو بہت کم یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ کسی سفرنامے کا مطالعہ کر رہا ہے۔ اس کے باوجود محمود نظامی کی جان دار تحریر نے نہ صرف اس سفرنامے کو لائق مطالعہ بنا دیا ہے بل کہ اس میں ادبیت کی چاشنی بھی پیدا کر دی ہے۔

''سفرنامہ ارض القرآن'' (رودادِ سفر سیّد ابوالاعلیٰ مودودی) از عاصم الحداد:

عاصم الحداد (۱۹۲۷ء تا ۱۹۸۸ء) ہندوستانی پنجاب کے قصبے مالیرکوٹلہ میں پیدا ہوئے۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان آ گئے۔ بہت سی علمی اور ادبی خدمات سرانجام دیں۔ ''سفرنامہ ارض القران'' کے علاوہ ''ما الحقیقۃ سنۃ الرسول ﷺ'' اور'' ملاحظات علی الاصول الفقہ'' ان کی کتابیں ہیں۔ ''فقہ السنۃ'' کے نام سے ایک کتاب ترتیب بھی دی۔ عرب ممالک کے دو اسفار کیے۔ پہلی بار ۱۹۴۹ء میں اپنے استاد سید سلیمان ندوی کے ساتھ اور دوسری بار نومبر ۱۹۵۹ء میں سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ سفر کیا۔ (۱۰)

> ''سفرنامہ ارض القران'' سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ کیے گئے سفر کی روداد ہے۔ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے حرمین شریفین کی زیارت اور اسلامی تاریخی علاقوں کی سیّاحت کی خواہش پر نومبر ۱۹۵۹ء میں بحرین، خبر، دمام، ظہران، ریاض، مکۂ معظّمہ، مدینہ منورہ، جدہ، طائف، عقبہ، اُردن و فلسطین، شام و مصر اور کویت کا سفر کیا۔ (۱۱)

مصر کا ''سفرنامۂ شام و مصر (۱۱ تا ۲۸ جنوری ۱۹۶۰ء)'' کے عنوان سے شامل ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مصر اور شام کا اتحاد باقی تھا۔ ۲۶ صفحات پر مشتمل اِس سفرنامے میں مصر میں گیارہ روزہ قیام، حالاتِ سفر اور مقاماتِ سیاحت کا احوال شامل ہے۔ یہ سفرنامہ اِس حوالے سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ اِس میں مصر سے متعلقہ عمومی موضوعات یعنی اہرام و ابوالہول کو دیگر سیاحوں کی طرح خصوصی اہمیت نہیں دی گئی بل کہ محض ایک ہی پیراگراف میں اِن چیزوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اس سفر میں سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے پیشِ نظر محض وہ مقامات تھے جن کا ذکر قرآن حکیم میں انبیائے کرام علیہ السلام کے ساتھ بہ تخصیص کیا گیا ہے۔

یہ سفرنامہ بیانیہ اور سادہ انداز میں تحریر کیا ہوا ہے۔ جس کی حیثیت ایک معلوماتی سفرنامہ کی ہے۔ سفرنامے کے عنوان میں رودادِ سفر سیّد ابوالاعلیٰ مودودی درج ہے مگر سوائے اُن کی ملاقاتوں اور انٹرویو کی تفاصیل کے اُن کے جذبات اور تاثرات درج نہیں ہیں۔ مصنف نے اگرچہ جگہ جگہ ہم کا صیغہ استعمال کیا ہے لیکن اِس سے مولانا کے سفر کے تاثرات کا کہیں بھی قاری کو علم نہیں ہوتا اور اگر اس سفرنامے کو مولانا مودودی کا سفرنامہ مانا جائے تو خود مولانا کے جذبات و احساسات سے عاری ہونا اِس سفرنامے کی کمزوری ہے۔

''دنیا مرے آگے'' از جمیل الدین عالی:

معروف شاعر، نقاد، گیت نگار اور سفرنامہ نگار جمیل الدین عالی ۲۰ جنوری ۱۹۲۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا

اصل نام جمیل الدین احمد خان ہے۔ وہ مرزا اسد اللہ خان غالب کے شاگرد اور دوست علاء الدین خان علائی کے پوتے اور سرامیر الدین احمد خان کے فرزند ہیں۔جمیل الدین عالی ۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے۔''دنیا مرے آگے''، ''تماشا مرے آگے'' اور''آئس لینڈ'' کےعنوان سے ان کے تین سفرنامے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔(۱۲)

جمیل الدین عالی کا یہ سفرنامہ ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۶ء تک روزنامہ''جنگ'' کراچی کے سنڈے ایڈیشن میں چھپتا رہا۔ اِس سفرنامے کو اُس زمانہ میں عوام میں مقبول سلسلے کی حیثیت حاصل رہی۔ اخباری صفحات پر پھیلے ہوئے اِس سفرنامے کومشفق خواجہ، ابن انشا اور جمال پانی پتی نے کتابی صورت میں مرتب کیا۔ضخامت کی وجہ سے اِس سفرنامے کوتقسیم کر کے''دنیا مرے آگے''(۱۳) اور''تماشا مرے آگے'' کے عنوانات سے دو کتابوں کی صورت میں شائع کیا گیا۔

چوں کہ''دنیا مرے آگے'' اخبار میں چھپتا رہااس لیے بہت سے مقامات پر صحافتی رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ عالی نے اِس سفرنامے میں جگہ جگہ تاریخ اور سیاست کو سفر کے مشمولات میں داخل کر دیا ہے۔ پاکستان اور پاکستانی سیاست کا اُن ممالک کی سیاست سے موازنہ اور تقابل بھی اِس سفرنامے میں جگہ جگہ کیا گیا ہے۔کبھی کبھی پاکستان اور کہیں دوسرے ممالک کے سیاسی اور معاشرتی رویوں پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔

جمیل الدین عالی نے مصر کی سیاحت ایک امریکی خاتون ڈورتھی جیمسن کی ہم راہی میں کی۔سفرنامے میں کئی مقامات پر مصنف اور ڈورتھی کے مختلف اور متضاد خیالات اور تصورات کا موازنہ خاصا دل چسپ ہے۔ اِس موازنے کے ساتھ ساتھ مختلف امور پر ایک انگریز خاتون کے تصورات اور خیالات سے آگاہی بھی سفرنامے کے معلوماتی پہلو کو بڑھا دیتی ہے۔

جمیل الدین عالی محض ایک سفرنامہ نگار کی حیثیت سے اہم نہیں بل کہ وہ اُردو ادب میں بحیثیتِ شاعر و ادیب اپنا ایک خاص مقام بھی رکھتے ہیں اِس لیے اُن کے سفرناموں میں سفر سے متعلق جزئیات اور معلومات کے علاوہ ادبیت کی چاشنی بھی موجود ہے۔ وہ جگہ جگہ اشعار اور معروف اشعار کے مصرعوں کو اپنی باتوں کے حوالہ جات کے طور پر استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔کتاب کے انتساب میں بھی انھوں نے اپنا ایک شعر لکھا ہے:

؎ عالی تیرا بھید ہے کیا ہر دوہے پر بل کھائے
میں جانوں ترے پاپی من کو گھر والی یاد آئے

اِسی طرح سفرنامے کے کئی مقامات پر وہ ایسے ادبی حوالوں کے ذریعے نہ صرف قاری کے ذوقِ شعری کی تسکین کا سامان کرتے بل کہ اپنی بات کی تاثیر میں اضافہ کرتے ہیں۔

''سات سمندر پار'' از اختر ریاض الدین:

بیگم اختر ریاض الدین ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوئیں۔انگریزی ادب کی استاد رہیں۔ آٹھ برس تک انگریزی روزنامہ''پاکستان ٹائمز'' میں بھی کام کرتی رہیں۔ ان کے شوہر میاں ریاض الدین فارن سروسز کے شعبے سے وابستہ

تھے اس لیے بیگم اختر ریاض الدین کو ان کے ساتھ بہت سے ممالک گھومنے کا موقع ملا۔اور وہ اپنی ہر سیر کو اپنے سفرناموں میں محفوظ کرتی رہیں۔ ان کے سفرناموں کے دو مجموعے ''سات سمندر پار'' اور'' دھنک پر قدم'' منظرِ عام پر آئے۔

''سات سمندر پار'' پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی کے زیرِ اہتمام ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا۔ اِس سفرنامے میں ٹوکیو، ماسکو، کراچی، نیپلز، قاہرہ، لندن اور نیویارک کے سفر شامل ہیں۔(۱۴) قاہرہ کے سفرنامے کے بارے میں مصنفہ نے فہرست میں یہ صراحت کردی ہے کہ یہ ایک باقاعدہ سفرنامہ نہیں بل کہ ایک تاثراتی مضمون ہے۔ اِس روداد کو تاثراتی مضمون قرار دینے کے پس منظر میں وقت کا وہ قلیل دورانیہ ہے جو قاہرہ کے تفصیلی مشاہدے میں مانع رہا۔بیگم اختر ریاض الدین کا قاہرہ کا سفر کل بارہ گھنٹے کے وقت پر محیط رہا۔ اِن بارہ گھنٹوں میں انھوں نے قاہرہ کے معروف ترین مقامات یعنی اہرام، ابوالہول اور بازار وغیرہ دیکھے۔اس کے بعد مصر کے اہم مقامات کے ذکر کے ساتھ ساتھ بیگم اختر ریاض الدین نے لوگوں کے رویوں اور طرزِ عمل پر بھی نگاہ ڈالی ہے۔انھوں نے ان رویوں پر بھی کڑی تنقید کی ہے جو متعصّبانہ سوچ کے نتیجے میں جنم لیتے ہیں اور تنگ نظری اور کوتاہ فہمی کی وجہ سے سماج میں تفرقے کا باعث ہیں۔

زبان کی چاشنی بھی بیگم اختر ریاض الدین کے سفرنامے کی ایک نہایت اہم خوبی ہے۔ وہ نپا تلا اور سلجھا ہوا جملہ لکھتی ہیں۔ روزمرہ، محاورہ اور ضرب المثل کا برمحل استعمال بھی ان کی نثر کی خوب صورتی میں اضافے کا باعث ہے۔زبان و بیان کا یہ حسن اختر ریاض الدین کے تمام تر سفرنامے پر حکمرانی کرتا ہے۔ ایسے سجے سنورے جملوں کے ساتھ بڑی نادر اور انوکھی تشبیہات بھی ان کی تحریر کا خاصا بن جاتی ہیں۔

اس تاثراتی مضمون کی بنت ایک سفرنامے کے قریب تر ہے۔ اگر چہ روایتی سفرنامہ کی طرح اس میں سفر کا ذکر طویل ہے نہ سفر کے متعلق کسی قسم کی جزئیات نگاری سے کام لیا گیا ہے اور نہ ہی اس مضمون کو پڑھ کر مصنفہ کے سفر اور مصر کے بارے میں کسی قسم کی نئی معلومات سامنے آتی ہیں لیکن چوں کہ اس مضمون سے بیگم اختر ریاض الدین کے قاہرہ کے سفر کی روداد ضرور سامنے آتی ہے اسی لیے اسے سفرنامہ مانا جاسکتا ہے۔

''آوارہ گرد کی ڈائری'' از ابنِ انشا:

ابنِ انشا (شیر محمد خان، ۱۹۲۷ء تا ۱۹۷۸ء) جالندھر میں پیدا ہوئے۔ اردو ادب کی اہم ترین شخصیات میں شامل ہیں۔ وہ بیک وقت شاعر، ادیب، کالم نگار اور مزاح نگار تھے۔ کئی رسائل و جرائد سے وابستہ رہے۔ ریڈیو پاکستان اور نیشنل بک سینٹر سے منسلک رہے۔ ان کی کتابوں میں چار سفرنامے:'' چلتے ہوتو چین کو چلیے''،''آوارہ گرد کی ڈائری''،''دنیا گول ہے'' اور''ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں''؛ دو شعری مجموعے:''چاند نگر'' اور''اس بستی کے اک کوچے میں'' اور مزاح کی ایک کتاب''اردو کی آخری کتاب'' اہم ہے۔(۱۵)

۱۹۶۷ء میں ابن انشا یونیسکو کی دعوت پر یورپ اور مشرقِ وسطیٰ کے دورے پر گئے ۔ یہ سفر تین ماہ کے عرصے پر محیط تھا جس میں یورپ کے شہر وممالک میں سے پیرس، لندن، جرمنی، ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ، ویانا اور مشرقِ وسطیٰ کے

شہر وممالک میں سے قاہرہ، لبنان اور شام شامل ہیں۔ابن انشا کے سفر کی روداد روزنامہ ''جنگ'' میں کالم کی صورت میں شائع ہوتی رہی۔۱۹۷۱ء میں ان کالموں کو یک جا کر کے ''آوارہ گرد کی ڈائری'' کی صورت میں ایک مکمل سفرنامہ شائع کیا گیا۔

''آوارہ گرد کی ڈائری'' میں قاہرہ کے سات دن کے سفر کا احوال شامل ہے۔اس احوال کو تین عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ ابن انشا سفر کی روداد کو بڑے بے ساختہ اور بے تکلف انداز میں بیان کرتے ہیں۔ قاہرہ میں پیش آنے والے تجربات ومشاہدات سے بیشتر انھوں نے ایک خاص قسم کی طمانیت کا ذکر کیا ہے جو مصر کے ایک مسلمان ملک ہونے کی وجہ سے اُن پر طاری رہی:

> ''ہمارے جی کو قاہرہ پہنچ کر عجب طمانیت سی محسوس ہوئی جیسے اپنے گھر آ گئے ہوں۔تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ ایک بستی سے اذان کی آواز آئی جس سے ہماری آنکھوں میں آنسو سے آ گئے۔''(۱۶)

سفر کے دوران میں پیش آنے والے واقعات اور مشکلات کو ابن انشا اپنی طبعی بذلہ سنجی کے باوصف بڑے شگفتہ اور دل چسپ انداز میں قاری تک پہنچایا ہے۔ ایک سنجیدہ صورتِ حال میں مزاح کے شگوفے کھلانا ابن انشا کا ہی کام ہے:

> ''ہم نے کہا لوگو......ہمیں دریائے نیل پر پہنچا دو۔آ گے ہم جانیں ہمارا کام۔ نیل پر پہنچے۔ وہاں سے نیل کے پُل پر پہنچے۔مشکل یہ ہے کہ ہماری کھڑکی سے تو نیل نظر آتا تھا لیکن نیل سے ہماری کھڑکی نظر نہ آتی تھی۔''(۱۷)

ایک اور مقام پر مزاح کی چاشنی ملاحظہ ہو:

> ''ہم نے (حجام کو) انگلی کی نوک دکھا کر بتایا کہ بس ہمارے بال اتنے سے چھوٹے کرنا زیادہ نہ کاٹ دینا۔اس نے اتنے رہنے دیے باقی کاٹ کر ڈھیر کردیئے۔''(۱۸)

ابن انشا کی تحریر کی معنویت کو ادبی چاشنی بھی جگہ جگہ دوچند کر دیتی ہے۔ وہ اپنے لفظوں اور جملوں کو اُردو ادب کے حوالوں اور ادبی تلمیحات سے پُر لطف بنادیتے ہیں۔ابنِ انشا کا یہ سفر نامہ ادبیت، ذہانت، برجستگی اورمعلومات کا ایک خوب صورت مرقع ہے۔

''سیاحت نامہ'' از ماہرالقادری:

منظور حسین المعروف ماہرالقادری(۱۹۰۷ء تا ۱۹۷۸ء) کیسر کلاں ضلع بلند شہر، یو۔پی (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ آزادی کے بعد پاکستان آ گئے۔ایک شاعر اور صحافی کی حیثیت سے خاصا نام کمایا۔(۱۹)''سیّاحت نامہ'' ماہر القادری کے دو اسفار پر مشتمل ہے۔مصر کا سفرنامہ ماہر القادری نے دوسرے سفر کی روداد میں شامل ہے جو انگلستان اور قاہرہ کے علاقوں کا تھا۔ یہ سفر انھوں نے ۱۹۷۶ء میں کیا۔ اس سفر کی روداد نومبر/ دسمبر ۱۹۷۶ء اور جنوری/ مارچ ۱۹۷۷ء کے ''فاران'' کے شماروں میں قسط وار شائع ہوئی۔

ماہر القادری نے اس سفر نامے میں جگہ جگہ منظر نگاری سے کام لیا ہے اور اِرد گرد کے مناظر کی لفظی تصویر کشی مہارت کے ساتھکی ہے۔ قاہرہ سے روانگی کے دن ایئر پورٹ کے لیے نکلتے ہوئے ایک منظر کی تصویر کشی ملاحظہ ہو:

''رمضان کا مبارک مہینہ، صبح کا سہانا وقت، قاہرہ کی کشادہ و مصفا شاہراہ جس پر سرونما پودے سنتریوں کی طرح ایستادہ تھے۔'' (۲۰)

منظر کشی کے علاوہ ماہر القادری کا اسلوب بیان بھی اپنے اندر ایک رعنائی اور دل آویزی لیے ہوئے ہے۔ وہ شاعر بھی تھے اس لیے بھی ان کی تحریر میں ادبیت ہے۔ وہ اپنی تحریر میں محاورات کے علاوہ کہاوتوں اور ضرب الامثال کا بھی روانی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں:

''گھوڑوں کو گھر کتنی دور۔'' (۲۱)

''گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است۔'' (۲۲)

ایک نکھرے ہوئے ،صاف اور ادبی اسلوب کے ساتھ یہ سفر نامہ مصر کے سفر ناموں میں ایک نمایاں مقام کا حامل ہے۔

''خانہ بدوش'' از مستنصر حسین تارڑ:

مستنصر حسین تارڑ ۱۹۳۹ء میں گکھڑ، منڈی بہاء الدین میں پیدا ہوئے۔ وہ عصرِ حاضر کی معروف ترین ادبی شخصیات میں سے ایک ہیں۔ انھیں ایک صاحبِ طرز ناول نگار اور سفر نامہ نگار کی حیثیت حاصل ہے۔ کالم اور ڈراما بھی لکھتے ہیں۔ ان کی کئی سفر نامے منظرِ عام پر آ چکے ہیں جن میں'' خانہ بدوش''، ''اندلس میں اجنبی''، '' نیپال نگری''، '' ماسکو میں سفید راتیں''، ''نیویارک نیویارک'' اور ''پتلی پیکنگ کی''، غیر ملکی اسفار پر مبنی ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کو پاکستان کا آٹو بائیو گرافر بھی کہا جاتا ہے کیونکہ انھوں نے پاکستان کے شمالی علاقوں کے بہت سے سفر نامے لکھے، جن میں، ''سفر شمال کے''، '' ہنزہ داستان''، ''کے۔ٹو کہانی''، ''نانگا پربت''، ''یاک سرائے''، ''برفیلی بلندیاں''، ''سنو لیک''، ''شمشال بے مثال'' اور'' دیو سائی'' نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ حجاز مقدس کے حوالے سے ان کے دو سفر نامے ''غارِ حرا میں ایک رات'' اور'' منہ ول کعبے شریف دے'' بھی شائع ہو چکے ہیں۔ (۲۳)

مستنصر حسین تارڑ کا سفر نامہ ''خانہ بدوش'' ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔ (۲۴) یہ سفر نامہ افغانستان، بیروت، دمشق، روم، مصر، اٹلی اور قبرص کی سیر پر مشتمل ہے۔ اس سفر نامے کے ۲۷ ابواب میں اٹھارہواں باب ''سکندر......اسکندریہ'' ہے۔ یہ مصر کے شہر اسکندریہ کی سیر کی روداد ہے۔

مستنصر حسین تارڑ بحری راستے سے سرزمین مصر میں داخل ہوئے۔ ان کا جہاز اسکندریہ کی بندرگاہ پر سات گھنٹے کے لیے لنگر انداز ہوا تھا اس لیے اتنے کم وقت میں انھیں صرف اسکندریہ کا ایک بازار اور ایک ہوٹل دیکھنے کا موقع مل سکا اور وہ مصر کی دوسرے اہم مقامات اور عجائبات وغیرہ نہ دیکھ پائے۔

ع نگاہ دے کے دیکھنا محال کر دیا گیا

صنفِ نازک کا ذکر تارڑ کا وہ آلۂ کار ہے جس سے وہ اپنے تمام سفر ناموں کی فضا کو رومانوی رنگ عطا کرتے ہیں:

''سیلز گرل مصری تھی مگر مصری کی ڈلی نہ تھی۔ بھورے رنگ کی دیسی شکر تھی جسے چکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ نمکین ہے۔میں نے بال پوائنٹ کا پوچھاتو اس کے نمکین شکر ہونٹ مسکراہٹ میں کھل گئے۔(۲۵)

دورانِ سفر پیش آنے والے چند دل چسپ واقعات کو بھی مستنصر حسین تارڑ نے اس سفر نامے کا حصہ بنایا ہے۔چوں کہ یہ سفر نامہ ایک مختصر سے دورانیے کے سفر کی روداد ہے جس میں اُنھوں نے اپنے گردو پیش کے ماحول اور ساتھیوں کی آپس میں نوک جھونک اور گفت گو کا ذکر زیادہ کیا ہے۔

''دجلہ'' از شفیق الرحمٰن:

شفیق الرحمٰن(۱۹۲۰ء تا ۲۰۰۰ء) روہتک کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔انڈین آرمی میڈیکل کور اور پاکستان آرمی سے وابستہ رہے۔ان کا شمار اردو ادب کے نمایاں مزاح نگاروں میں ہوتا ہے۔''دجلہ'' کے علاوہ ''کرنیں''، ''شگوفے''، ''لہریں''، ''حماقتیں'' اور ''مزید حماقتیں'' ان کی بہترین تصانیف ہیں۔(۲۶) ''دجلہ'' ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔اس کے چار ابواب ہیں جن کے عنوان بالترتیب نیل، دھند، ڈینیوب اور دجلہ ہیں۔ یہ سفر نامہ مصر، جرمنی اور عراق کے سفر کی روداد ہے۔ پہلا باب''نیل'' کے عنوان سے ہے جو کہ مصر کی سیر وسیاحت کا احوال ہے اور یہ ۵۹ صفحات پر مشتمل ہے۔(۲۷)

اس سفر نامے میں شفیق الرحمٰن نے دریائے نیل اوراہرام مصر کے بارہ میں خاصی دل چسپ معلومات فراہم کی ہیں۔ پاکستان آرمی سے منسلک ہونے کی وجہ سے شفیق الرحمٰن کی مہم جُو طبیعت نے اہرام وغیرہ کے کئی حقائق سے نہ صرف انھیں آشنا کرایا ہے بل کہ ان معلومات کو قاری تک پہنچانے میں بھی مدد دی ہے۔

یہ سفر نامہ شفیق الرحمٰن کی بذلہ سنج اور ذہانت پر مبنی تحریر کا خوب صورت مرقع ہے۔

''سورج کے ساتھ ساتھ'' از ذکیہ ارشد حمید:

ذکیہ ارشد حمید کا تعلق کراچی سے تھا۔وہ معروف ناول نگار جمیلہ ہاشمی کی قریبی دوست تھیں۔اُن کا انتقال ۱۹۸۸ء میں ہوا(۲۸)۔ان کا سفر نامہ''سورج کے ساتھ ساتھ'' ستمبر ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔اس سفر نامے کا پیش لفظ ڈاکٹر جمیل جالبی کا تحریر کردہ ہے۔سفر نامے کا تیسرا باب قاہرہ کے سفر کی روداد ہے۔

مجموعی طور پر یہ ایک سیدھا سادہ سفر نامہ ہے جس کا اسلوب مکمل طور پر بیانیہ ہے۔ اس اسلوب میں اوّل تا آخر سادگی، سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔مصنف نے کہیں بھی پیچیدہ اور گنجلک الفاظ اور بیان کا سہارا نہیں لیا جو دیکھا، جیسا دیکھا اسے من وعن سادہ زبان میں بیان کر دیا ہے۔سفر نامے کی ابتدا میں محمد علی صدیقی کا مضمون بھی شامل ہے جس میں اس سفر نامے کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ذکیہ ارشد حمید کی''تحریر میں کسی قسم کا تصنع نہیں ہے۔''(۲۹) کہا جا سکتا ہے کہ ذکیہ ارشد حمید نے ایک سادہ اور سہل انداز میں مصر کی سفری روداد کو مصر کی تاریخ و تہذیب سے مربوط کیا ہے۔

''جہان دیدہ'' از محمد تقی عثمانی:

مولانا محمد شفیع عثمانی کے صاحب زادے مولانا محمد تقی عثمانی (پ۱۹۴۳ء) کا سفر نامہ ''جہان دیدہ'' ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔ یہ سفر نامہ ۶۶۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اِس میں موجود مصر کی سفری روداد ۵۴ صفحات پر محیط ہے۔ یہ سفر نامہ عراق، مصر، الجزائر، سعودی عرب، اُردن، شام، ترکی، سنگاپور، انڈونیشیا، بنگلہ دیش، قطر، چین، امریکہ، برطانیہ، کینیا، جنوبی افریقہ اور فرانس کے ممالک کے اسفار پر مشتمل ہے۔ تقی عثمانی کی یہ سفری روداد ''البلاغ'' میں اُن کی اپنی ادارت میں شائع ہوئی۔ سفر نامے میں اسفار اِس ترتیب سے نہیں دیئے گئے جس ترتیب سے مولانا محمد تقی عثمانی نے ان ممالک کا سفر کیا بل کہ پہلے عالمِ اسلام کے ممالک کی سفری روداد درج ہے اور بعد میں دوسرے ممالک کے سفر کا حال لکھا ہے۔

یہ سفر نامہ اس حوالے سے اہم ہے کہ اس میں اُن شخصیات کے علمی مرتبے اور اُن کے حالاتِ زندگی کے چیدہ چیدہ خواص اور باتیں بیان کی ہیں جن کے مزارات کا علامہ تقی عثمانی نے زیارت کی۔ ''جہانِ دیدہ'' میں کئی مقامات پر مولانا تقی عثمانی مختلف مناظر کو خوب صورت تشبیہات تراش کر بیان کرتے ہیں:

> ''دریا پر بنے ہوئے خوب صورت پل پر کاروں کی مخالف سمتوں سے دوڑتی ہوئی روشنیوں سے ایسا لگ رہا تھا جیسے نیل کے دونوں کنارے سونے کی گیندیں ایک دوسرے کی طرف پھینک رہے ہوں۔'' (۳۰)

مولانا تقی عثمانی مذہبی اعتبار سے ایک معتبر شخصیت مانے جاتے ہیں۔ انھوں نے اِس سفرنامے کو اپنے کئی مذہبی افکار کی ترویج اور مذہبی علوم کی بہم رسانی کا ذریعہ بنایا ہے۔ اُن کا لہجہ اور زبان بھی ایک عالمِ دین کا وقار اور مرتبہ لیے ہوئے ہے۔

''اور نیل بہتا رہا'' از رفیق ڈوگر:

رفیق ڈوگر سفر نامہ نگار اور کالم نگار ہیں۔ ایک عرصہ سے ''نوائے وقت'' لاہور میں ان کے کالم چھپتے ہیں۔ رفیق ڈوگر کا سفر نامہ ''اور نیل بہتا رہا'' سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور کے زیرِ اہتمام ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ ۲۳۲ صفحات پر مشتمل یہ سفر نامہ لندن، پیرس اور مصر کے اسفار کی روداد ہے۔ مصر کا سفر نامہ آٹھ ابواب اور ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

رفیق ڈوگر نے قاہرہ کا یہ سفر راجا محمد ظفر الحق کی ترغیب پر کیا۔ قاہرہ میں انھوں نے ایک ادارے'' صدقا اقبال'' کے زیرِ اہتمام منعقد کی گئی ایک تقریب میں شرکت کی، جس میں فکرِ اقبال کے مختلف پہلوؤں پر بات چیت کی گئی۔

منظر نگاری سفرنامے کا جزوِ خاص ہوا کرتی ہے۔ ہر اچھے سفر نامہ نگار کے ہاں منظر نگاری کی مثالیں بہ آسانی دیکھی جاسکتی ہیں۔ ''اور نیل بہتا رہا'' میں رفیق ڈوگر نے بھی کئی مقامات پر بڑے خوب صورت مناظر تراشے ہیں:

> ''بوڑھے نیل کے نیلے پانی پر سیاہی تہ دَر تہ نازل ہو رہی تھی۔ نیل کے کنارے بلند و بالا عمارتوں پر قطار اندر قطار قمقمے جل اُٹھے تھے۔ قاہرہ نے سنہری تاج پہن لیا تھا اور نیل میں اپنا

سراپا دیکھ دیکھ کر جھوم رہا تھا۔''(۳۱)

رفیق ڈوگر کا اسلوب خاصا نپا تلا اور پختہ نظر آتا ہے۔ان کی زبان لسانی معائب سے پاک ہے ۔انھوں نے کہیں کہیں اُردو کو پنجابی زبان کا تڑکا لگا کر اسے علاقائی رنگ دینے کی کوشش بھی کی ہے اور کہیں کہیں خاص اُردو الفاظ ومحاورات سے تحریر میں ادبیت کی چاشنی بھی پیدا کی ہے:

''پھر آپ تو نہ سنی رہے نہ وہابی، مصر آ کر تو آپ بالکل ہی مسلمان ہو گئے۔''(۳۲)

''ہمارے ہاں مردہ فرعون نہیں ہوتے۔''(۳۳)

''اور نیل بہتا رہا'' ایک پختہ اسلوب میں لکھا گیا مصر کا ایک معتبر سفرنامہ ٹھہرتا ہے جس میں رفیق ڈوگر نے مصر کے تہذیبی اور معاشرتی مناظر کو یک جا کر دیا ہے۔

''سماعت کی آنکھ'' از تاب عرفانی:

دو برس کی عمر میں چیچک کے مرض میں مبتلا ہو کر نابینا ہو جانے والے رانا تاب عرفانی، مصنف، سفرنامہ نگار اور شاعر ہیں۔انھوں نے ورلڈ بلائینڈ آتھرز فورم(World Blind Authors Forum) کے نام سے ایک بین الاقوامی تنظیم بنا رکھی ہے اور لاہور میں ''عالمی لائبریری بے بصر مصنفین'' کے نام سے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا ہے۔''سماعت کی آنکھ'' کے علاوہ ان کی آپ بیتی ''اُپلوں کا دھواں'' کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔(۳۴) بے بصر مصنف رانا تاب عرفانی کا سفرنامہ ''سماعت کی آنکھ'' تین ابواب پر مشتمل ہے جن میں تیسرا باب ''سماعت اور لمس کے مشاہدات'' قاہرہ اور لندن کا سفرنامہ ہے۔(۳۵)

رانا تاب عرفانی کی تحریر کردہ قاہرہ کی سفری روداد، مصر کے دیگر سفرناموں سے دو حوالوں سے منفرد ہے۔اول تو اِس میں فراعنہ کی یادگاروں اور مساجد وغیرہ یا مصر کی قدیم تہذیب سے متعلق سیر گاہوں کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا دوسرا یہ کہ اِس سفرنامے میں کہیں بھی مصنف کا آنکھوں دیکھا احوال شامل نہیں۔اسی حوالے سے اس سفرنامے کا عنوان بھی یقیناً قابلِ داد ہے ۔ رانا تاب عرفانی نے دیگر حسیات یعنی شامہ، لامسہ اور سماعت سے بھرپور بینائی کا کام لیا ہے اور اپنے تجربات میں قاری کو بھی شریک کیا ہے۔

یہ سفرنامہ بینا اور نابینا کا فرق بھی واضح کرتا ہے ۔اس سفرنامے کے بعض پہلو اس لیے بھی کمزور ہیں کہ تاب عرفانی نے جو لکھا وہ ان کا آنکھوں دیکھا نہیں تھا۔''سماعت کی آنکھ'' میں بیان کردہ واقعات سے ایک نابینا فرد کے احساسات و جذبات کا بھی پتا چلتا ہے ۔ اس سفرنامے میں کئی مقامات پر قاری پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ایک نابینا آدمی ایسی جگہوں پر کیا سوچتا ہے جہاں بینائی کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ رانا تاب عرفانی نے ایسے مواقع پر اپنی سماعت کو کام میں لاتے ہیں۔ وہ بصارت کی بجائے سماعت کے ذریعے راستوں اور مقامات کا تعین کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ اس سفرنامے میں کئی باتیں ایسی بھی ہیں جنھیں پڑھ کر قاری کو احساس ہوتا ہے کہ مصنف کی حسِ باصرہ نہ سہی مگر دوسری حسیات تو یقیناً عام لوگوں جیسی ہیں۔ایک بے بصر سفرنامہ نگار کی یہ سفری روداد قاری

کے لیے حیرت، عقیدت اور ہمدردی کا مرقع بن گئی ہے۔

''ذوقِ دشت نوردی'' از ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف:

ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف (احمد بختیار، پ: ۱۹۳۵ء) معروف ماہرِ تعلیم، ماہرِ لسانیات اور نقاد ہیں۔ ادبی اور تحقیقی موضوعات پر ان کی بہت سی کتب منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ اُن کا سفرنامہ ''ذوقِ دشت نوردی'' ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔ ۳۱۶ صفحات پر مشتمل یہ سفرنامہ مختلف ممالک یعنی برطانیہ، یونان، یوگوسلاویہ، ترک قبرص، ترکی، اٹلی، آسٹریا، چیکوسلواکیہ، ہنگری، بلغاریہ، شام، اُردن، عراق اور مصر کی سیر پر مشتمل ہے۔ اس سفرنامے کے آخری باب کا عنوان ''سفینۃ النیلِ فرعون'' ہے جو کہ مصر کے سفر کی روداد ہے۔ یہ سفرنامہ ان دنوں کی یادگار ہے جب ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف انقرہ یونی ورسٹی میں تھے۔ گھر اور وطن سے دوری نے یقیناً اعصاب پر تھکن طاری کردی اور اسی تھکن کو دور کرنے کا ایک وسیلہ انھوں نے مختلف ممالک کی سیر کو بنایا۔ مصر کے اس سفر میں سنگ میل پبلی کیشنز والے نیاز احمد بھی ان کے ہم راہ تھے۔

مصر کا سفرنامہ اور فرعونوں کی باقیات یا قدیم تہذیبی یادگاروں کا ذکر لازم وملزوم ہیں۔ مصر کے تمام سفرناموں میں اہرام کے بارے میں معلومات مہیا کرنا، ابوالہول کا مشاہدہ کرنا، قاہرہ میوزیم دیکھنا جس میں فرعونوں کے زمانے کی نوادرات ہیں ہر سفرنامہ نگار کے لیے اس کے سفرنامے کی اہم ترین ضرورت نظر آتی ہیں۔ مصر کی سیاحت کرنے والوں کے لیے اہرام مصر باقی تمام مصر سے بڑھ کر کشش کا باعث ہیں۔ اس لیے مصر کے ہر دوسرے سفرنامے میں اہرام اور فرعونوں کی یادگاروں کا ذکر تاریخی وجغرافیائی حوالے سے ملتا ہے۔ ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف نے بھی ایسے ہی حوالوں سے اہرام کا ذکر کیا ہے:

سفرنامے میں کئی مقامات پر مصریوں اور پاکستانیوں کی عادت واطوار کا موازنہ اور تقابل نظر آتا ہے۔ مصر کی سیاحت کے دوران ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف مصری معاشرت کا پاکستانی معاشرت سے موازنہ کرتے ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں:

> ''ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگ لینا مصریوں کے لیے عار نہیں ہے۔ ان کی عادتیں پاکستانی بھائیوں سے ملتی جلتی ہیں۔''(۳۶)

> ''ان بازاروں میں گھومتے ہوئے لوگوں کی شکل اور عادات واطوار بھی پاکستانیوں جیسی لگیں۔ چلنے پھرنے کا انداز وہی، لباس کی تراش خراش ویسی، کاغذ، تیلیاں، سگریٹ کے ٹکڑے پھینکنے اور جگہ جگہ تھوکنے کی علت وہی، بات کرنے یہاں تک کہ سگریٹ پکڑنے کا انداز بھی ویسا، چھوٹے شہروں اور پرانے بازاروں میں عورتوں کے برقعے ویسے البتہ لباس اور زبان کا فرق ضرور ہے۔''(۳۷)

ڈاکٹر نجیب جمال اپنے مضمون ''مصر اور اُردو کے سفرنامے'' بحوالہ خصوصی تازہ ترین سفرنامہ ''ذوقِ دشت

نوردی‘‘ میں ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف کی ستائش ان الفاظ میں کی ہے:

’’سیاحت ان کا دل پسند مشغلہ ہے مگر غنیمت ہے کہ مستنصر حسین تارڑ کی طرح کسی حسینہ دل نواز کے کاندھے پر سر رکھ کر انھوں نے سفر نہیں کیے نہ ہی محض ٹریولنگ گائیڈ کو سامنے رکھ کر معلومات کے ڈھیر لگائے ہیں بل کہ زیادہ سے زیادہ آنکھوں دیکھے تجربات اور احوال پیش کیے ہیں۔‘‘(۳۸)

’’ذوق دشت نوردی‘‘ کو ہر حوالے سے ایک پختہ فکر مصنف کی پختہ تحریر کہا جا سکتا ہے جس میں برجستگی اور روانی بھی ہے اور ذہانت وذکاوت بھی۔

’’سفر ہے شرط‘‘ از مولانا کوثر نیازی:

مولانا کوثر نیازی (۱۹۳۴ء تا ۱۹۹۴ء) کا اصل نام محمد حیات خان نیازی تھا۔ وہ معروف سیاست دان، مذہبی اسکالر، شاعر اور ادیب تھے۔ وہ پاکستان کی مرکزی کابینہ کا حصہ رہے۔ بہت سی کتابیں لکھیں۔ ’’سفر ہے شرط‘‘ کے علاوہ ان کے دو سفر نامے ’’کوہ قاف کے دیس میں‘‘ اور ’’ایک ہفتہ چین میں‘‘ منظرِ عام پر آئے۔(۳۹) ’’سفر ہے شرط‘‘ ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔ اس کے بارہ ابواب میں سے گیارھواں باب ’’کینیڈا، لندن اور قاہرہ سے جدہ‘‘ ہے۔ یہ باب آٹھ حصوں پر مشتمل ہے جن کو لفظی عنوانات کی بجائے ۱ تا ۸ کے ہندسوں سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اِس باب کا تیسرا اور چوتھا حصہ قاہرہ کے سفر پر مشتمل ہے۔ ان دونوں حصوں کی طوالت ایک ایک صفحے پر محیط ہے، یوں ۲۰۸ صفحات کی اس کتاب میں مصر کے سفر کی روداد کُل دو صفحات پر مبنی ہے۔

مولانا کا یہ سفر محض قاہرہ اور اس کے مضافات میں موجود تین مزارات کی زیارت اور تعارف تک محدود ہے۔ ان میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحب زادی حضرت زینب، حضرت امام حسین علیہ السلام کے سرِ اقدس اور ڈاکٹر یوسف نجم الدین کے مزارات شامل ہیں۔ نمبر تین کے ذیل میں لکھے گئے باب میں مولانا کوثر نیازی نے اپنے دوست اور اپنے زمانہ میں عالمِ اسلام کی ایک معروف شخصیت ڈاکٹر یوسف نجم الدین کے علمی قد وقامت کے ساتھ ان کی خدمات کا بھی مختصراً ذکر کیا ہے اور ان کے مزار کا محلِ وقوع بھی بتایا ہے:

’’جب قاہرہ میں ان کا انتقال ہوا تو حکومت نے بطورِ خاص سیّدنا علی المرتضیٰ کے گورنر اور نام ور مجاہدِ اسلام حضرت مالک اشتر کے مزار کے احاطے میں ان کی تدفین کی اجازت دی۔‘‘(۴۰)

اس کے بعد باب نمبر ۴ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحب زادی حضرت زینبؓ اور حضرت امام حسینؓ کے راسِ اقدس (سرِ مبارک) کے مزارات کا تعارف اہلِ مصر کی بیان کردہ کچھ روایات اور کچھ کتب کے حوالہ جات کے ساتھ کرایا ہے۔ ایک صفحے پر محیط مولانا کے اس سفرنامے کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس میں مصر کا تذکرہ سرسری سا ہے کیوں کہ اِن زیارات کے علاوہ مصر کے سماجی یا قدرتی منظرنامے کا مولانا کوثر نیازی نے ذکر

تک نہیں کیا۔

''نقشِ سفر'' از حکیم محمد سعید:

حکیم محمد سعید (۱۹۲۰ء تا ۱۹۹۸ء) دہلی میں پیدا ہوئے ۔یونانی طبیہ کالج دہلی میں طب کی تعلیم حاصل کی۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی چلے آئے اور ۱۹۴۸ء میں ہمدرد فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی۔سندھ کے بیسویں گورنر بنے۔مختلف موضوعات پر دوسو سے زاید کتابیں لکھیں۔وہ ان لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے شعبۂ طب میں بے بہا خدمات کے سبب دنیا بھر میں عزت، شہرت اور نام کمایا، اور اس میدان میں اپنی قابلیت کے باوصف دنیا بھر میں صحت سے متعلق کانفرنسوں اور سیمیناروں میں مدعو کیے گئے۔یوں انھیں اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کے ساتھ دنیا بھر کی سیاحت کا موقع بھی ملا۔

''نقشِ سفر'' حکیم محمد سعید کی وفات کے بعد ۱۹۹۹ء میں ہمدرد فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ یہ سفر حکیم سعید نے پاکستان میں صحت عامہ کے نظام کا ایک خاکہ مرتب کرنے کی غرض سے کیا۔ انھوں نے اسی سلسلے میں واشنگٹن اور امریکہ کی تقریباً تمام ریاستوں کے صحت عامہ کے مراکز کا دورہ کیا اور صحت کے ماہرین سے ملاقاتیں کیں۔اس کے بعد وہ لندن، پیرس، جنیوا، برن اور بیروت گئے، پھر کویت، جدہ اور آخر میں قاہرہ گئے۔

اس سفر نامہ میں حکیم سعید نے مصر کے سیاسی حالات کے نشیب وفراز پر تبصرہ کیا ہے۔ انھوں نے مصر کے سیاست دانوں کی دوہری پالیسیوں، امریکہ سے دوستانہ مراسم اور خصوصاً جمال عبدالناصر کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

حکیم سعید نے مصر کی معروف گلوکارہ اُمِ کلثوم کا پاکستانی گلوکارہ نور جہاں سے موازنہ بھی کیا ہے۔انھوں نے ان دونوں گلوکاراؤں میں ایک خاص فرق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اُمِ کلثوم نے اپنے کمالِ فن کے ساتھ اپنا وقار ذاتی بھی ہمیشہ قائم کیا ہے۔''(۴۱)

حکیم سعید اسلامی تہذیب سے جڑے لوگوں میں سے تھے۔ اُن کا یہ سفرنامہ ان کی دیگر تمام تحریروں کی طرح ایک شائستہ اور صاف ستھرے اسلوب میں لکھا گیا ہے جس میں انھوں نے اردو زبان کے ساتھ ساتھ اسلامی کی تہذیب سے متعلق اخلاقی روایات کی ترویج کی کوشش بھی کی ہے۔

''یادگار سفر'' از محمد مظہر بقا:

محمد مظہر بقا (۱۹۲۲ء تا ۲۰۰۵ء) ایک مذہبی اسکالر کی حیثیت سے معروف تھے۔۱۹۶۹ء میں ''اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ'' کے موضوع پر اسلامک سٹڈیز میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔۱۹۷۸ء میں سعودی عرب کی جامعہ القریٰ میں تدریس کا موقع ملا۔ اپنے سیر و سیّاحت کے شوق کی تسکین کے لیے کئی ممالک کا سفر کیا۔(۴۲)

محمد مظہر بقا کے سفر کی روداد ''یادگار سفر'' کے نام سے بقا پرنٹرز کے زیر اہتمام ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔ یہ ۱۶۰ صفحات اور دس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں مصر، عراق، مکہ مدینہ، شام، اُردن، ترکی، امریکہ، کینیڈا اور انڈیا کی

سفری روداد شامل ہے۔مصر کی سفری روداد چھتیس صفحات پر مشتمل ہے۔محمد مظہر بقا نے یہ سفر۱۹۸۵ء میں اپنی اہلیہ اور صاحب زادی کے ہم راہ کیا۔

مصر میں جامعہ اُم القریٰ کے چند ساتھی محمد مظہر بقا کی میزبانی کے لیے موجود تھے۔ اور اسی وجہ سے اس دیارِ غیر میں انھیں بہت سی سہولیات میسر آ گئیں۔

اسلام نے جس رواداری اور مروت کا درس دیا ہے محمد مظہر بقا اپنے اس سفرنامے میں بعض کے ذریعے اس کی ترویج کرتے نظر آتے ہیں۔سفرنامے میں کچھ مقامات پر اچھی منظر نگاری کی گئی ہے۔

''بس کہیں بحر احمر کے کنارے اور کہیں متوسط بلندی کے پہاڑی سلسلے کے درمیان گزرتی رہی......اور ایسے مقامات بھی آئے کہ دائیں جانب نیلا سمندر ہے اور بائیں جانب بھورے، سیاہ،اور سرخ پتھروں کا پہاڑی سلسلہ۔''(۴۳)

سفرنامہ کا اسلوب سادہ اور بیانیہ ہے اور مصر کے اس سفرنامے سے عیاں ہے کہ وہاں کی سیر کرتے ہوئے مصنف کی زیادہ دل چسپی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یادگاروں میں رہی۔

''قصہ شہرنوردی کا'' از سلیم عالم:

پاکستان سے تعلق رکھنے والی سلیم عالم یو۔کے میں رہتی ہیں۔اُن کا یہ سفرنامہ چیکوسلواکیہ، پراگ، پرتگال، سوئیڈن اور مصر کا سفرنامہ ہے۔ اِس سفرنامے کا ایک بڑا حصہ مصر ہی کے سفر پر مبنی ہے۔اس سفرکو''آثارِ قدیمہ''، ''قاہرہ میں چند دن''، ''نہر سویز''، ''اسکندریہ'' اور''آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی'' کے عنوانات کے تحت پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اِس سفرنامے میں بھی مصر کے دیگر کئی سفرناموں کی طرح تاریخی حصہ نہایت طاقت ور ہے اور سفرنامہ نگار اپنی تمام تر افسانوی چابک دستیوں کے باوجود بہت سے مقامات پر مصر کی تاریخ کے سحر میں گرفتار نظر آتی ہیں۔ وہ مختلف مقامات پر سفر کی تفاصیل لکھتے ہوئے مصر کی تاریخ کے اوراق پلٹتی اور قاری کو مصر کے قدیم واقعات، سیاسی اور جغرافیائی حالات سے روشناس کراتی ہیں لیکن اس تاریخ کو بیان کرنے کے لیے انھوں نے مختلف مقامات پر مختلف قسم کی تکنیک اپنائی ہے۔

اس سفرنامے میں یہ بات بھی یقیناً قابلِ توجہ ہے کہ جہاں مصری تاریخ کے بارے میں مصنف کا علم خاصا بسیط ہے وہیں تاریخ اسلامی کے بارے میں ان کی علمی حیثیت خاصی کم زور نظر آتی ہے اور اسلام اور اسلام سے متعلقہ معلومات کی فراہمی میں اکثر مقامات پر انھوں نے ناپختہ علمیت کا ثبوت دیا ہے:

''............ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا اور مؤذن کی خوب صورت قرأت بھری آواز فضا میں گونجنے لگی:

''اور اے اللہ کے بندو لوٹ آؤ۔اسی خدا کی طرف جہاں تمہیں جانا ہے......!''

اذان کی آواز سن کر ہم سب نے جلدی جلدی وضو کیا اور نمازیوں کی صف میں شامل ہوگئے۔''(۴۴)

محولہ بالاتحریر کا درمیانی جملہ اذان کے کسی جملے کا ترجمہ ہرگز نہیں ہے۔ اسی طرح سفر نامے میں املا کی بھی کئی اغلاط موجود ہیں جن سے سفرنامہ کا لسانی پہلو کی انتہائی کم زور ہو گیا ہے مگر مصنف نے اپنی تحریر کو ادبیت کا چھینٹا لگانے کے لیے بعض جگہوں پر اشعار اور مصرعوں کے حوالے بھی دیے ہیں۔ ہر سفرنامے کی طرح ''قصہ شہرنوردی کا'' میں بھی منظر نگاری کی اچھی مثالیں نظر آتی ہیں:

''سگنل کی بتی کچھ دیر کے لیے سُرخ ہوجاتی تو کالج کے چند طالب علم اور راہ گیر لمبی لمبی سفید عبا پہنے، سر پر سفید ہی عمامہ باندھے تیزی سے سڑک کراس کرتے۔ اس کے بعد جیسے ہی سگنل گرین ہوجاتا چھوٹی بڑی گاڑیاں فوراً ہی سٹارٹ ہو جاتیں اور منٹوں میں یہ جا وہ جا۔''(۴۵)

یہ سفرنامہ کچھ اچھے اور کچھ کم زور پہلو لیے ایک رودادِ سفر بھی ہے اور مصر کی تاریخ وجغرافیہ کا ایک مرقع بھی۔

''کنارے کنارے'' از ڈاکٹر حسین احمد پراچہ:

ڈاکٹر حسین احمد پراچہ (پ: ۱۵ دسمبر ۱۹۴۷ء) کئی پاکستانی اور بین الاقوامی اداروں میں تدریسی اور انتظامی عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' اور روزنامہ ''جنگ'' میں کالم لکھتے ہیں۔ سفرنامہ ''کنارے کنارے'' کے علاوہ ان کی مرتب کردہ کتاب ''دنیا اور مغرب'' بھی منظر عام پر آ چکی ہے۔(۴۶) اُن کا سفرنامہ ''کنارے کنارے'' بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ ''کنارے کنارے'' کے عنوان کے تحت اِس سفر نامے میں مصنف نے مقاماتِ سفر پانیوں، سمندروں اور دریاؤں سے منسوب کردیئے ہیں یہاں تک کہ شہر مکہ معظّمہ کا سفر نامہ کنارِ زم زم اور مدینۃ المنورہ کا سفر نامہ کنارِ کوثر کے عنوانات کے تحت لکھا گیا ہے۔ یوں اِس سفرنامے کا عنوان اور فہرست کے مندرجات ہی سے سفرنامہ نگار کی تخلیقی حس کی داد دینا پڑتی ہے۔ ''کنارِ نیل'' کے عنوان کے تحت لکھا گیا سفر نامۂ مصر گیارہ صفحات پر محیط ہے۔

''کنارے کنارے'' میں بہت سی ضروری باتوں کی تفصیل سے اجتناب کیا گیا ہے۔ پورا سفر نامہ اِن بنیادی اور اہم معلومات سے تہی ہے کہ یہ تمام اسفار کب کیے گئے؟ سفرنامہ نگار کس مقصد کے تحت اِن تمام ممالک میں گئے؟ وغیرہ۔ یہی کمی مصر کے سفرنامے میں بھی تشنگی کا سبب ہے۔

''کنارِ نیل'' میں مصر کے تہذیبی اور ثقافتی رخ کو مختلف زاویہ ہائے نظر سے دیکھا اور محسوس کیا گیا ہے۔ سفرنامہ نگار کے تقریباً ہر جگہ اور ہر مقام پر مصر کے لوگوں کے تہذیبی شعور اور معاشرتی اور ثقافتی میلانات کی ایک نپے تلے انداز میں عکاسی کی ہے۔ جہاں سفر نامہ نگار مغربی اثرات کی لپیٹ میں آتی مصری تہذیب میں موجود کئی کجیوں کا ذکر کیا ہے وہیں اِس تہذیب کے بعض مثبت پہلوؤں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ مثال کے طور پر انھوں نے ایک

شہر''بنہا'' میں میڈیکل کالج اور بزنس ایڈمنسٹریشن کے دو طالب علموں کو مزدوری کر کے روزی کمانے کا ذکر تحسین کے ساتھ کیا ہے۔

حسین احمد پراچہ کی تخلیقی حس اِس سفرنامے میں جابجا اُن کے اسلوب میں جلوہ گر ہے۔وہ اُردو ادب کے معتبر نبض شناس نظر آتے ہیں۔اُن کی تحریر میں جگہ جگہ ادبیت اور ترکیب سازی اُنھیں اُردو زبان کا ایک منجھا ہوا مصنف ثابت کرتی ہے۔

> ''فریال کہ جس کی آنکھ بیک وقت میڈورا کے کاجل اور دانشِ افرنگ دونوں سے روشن تھی۔''(۴۷)

یہ سفرنامہ اپنے اختصار اور بعض کم زوریوں کے باوجود اپنے اندر ایک قوت لیے ہوئے ہے جس کا بنیادی عنصر ڈاکٹر حسین احمد پراچہ کا دل چسپ اور موثر طرزِ بیان اور پختہ زبان ہے۔ اِسی پختہ اسلوبِ بیان کی بنا پر اِس سفرنامے کو مصر کے جزوی سفرناموں میں خاصے کی ایک شے کہا جاسکتا ہے۔

''سفرنامہ غیرملکی اسفار'' ازمولانا وحیدالدین:

مولانا وحید الدین ۱۹۲۵ء میں اعظم گڑھ، انڈیا میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک مستند عالمِ دین کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ انھوں نے قرآن حکیم کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔(۴۸) مولانا وحید الدین کا ''سفرنامہ غیر ملکی اسفار'' ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔تیرہ ابواب پر مشتمل اس سفرنامے کا آٹھواں باب قاہرہ کے سفر کی روداد ہے۔ستمبر ۱۹۸۹ء میں طرابلس میں ہونے والے ایک بین الاقوامی سیمنار میں شرکت کے لیے مولانا وحیدالدین نے لیبیا اور مصر کا سفر کیا۔

مولانا وحیدالدین اس ساری روداد میں سفرنامہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ناقدانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ وہ ہر بات، ہر موقع اور ہر واقعہ پر اپنی رائے کا اظہار ضرور کرتے ہیں۔ یہ سفرنامہ پڑھتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ مولانا وحیدالدین کی تحریر پر مذہبی افکار کی پرت خاصی دبیز ہے۔وہ ہر قسم کے واقعے اور ہر قسم کے حالات سے خالص مذہبی اثر لیتے اور ہر دوسرے واقعے کو خاص مذہبی خیالات کے زیرِ اثر پرکھتے ہیں۔ان کے خیالات سے ان کی شخصیت کے بارے میں ایک ایسے دین دار شخص ہونے کا تاثر ابھرتا ہے جو زندگی کے ہر پہلو کو گناہ وثواب کے پلڑوں میں تولتا اور اپنے نظریات کے آئینے میں دوسروں کے طرزِ عمل کو دیکھتا اور پرکھتا ہے۔وہ اس سفر میں پیش آنے والے ہر مشاہدے اور تجربے کو مذہب سے جوڑ دیتے ہیں۔اس بات سے یہ مراد نہیں کہ ایسا کر کے وہ غلط کرتے ہیں بل کہ یہ کہ اس عمل سے اُن کے نفسیاتی رجحان کی عکاسی ہوتی ہے۔زندگی کی ناپائیداری، مقصدِ حیات اور عقبیٰ اور آخرت کے معاملات، وہ ہر مقام پر ناصحانہ انداز اختیار کر لیتے ہیں۔ پاسپورٹ کی چیکنگ پر انھیں قیامت اور نامۂ اعمال کا معاملہ یاد آجاتا ہے:

> ''ضروری کارروائی مکمل ہوکر ہمارا پاسپورٹ واپس آ گیا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور دل

سے دُعا نکلی کہ کاش ! قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ میرے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمائے۔''(۴۹)

لیکن کہیں کہیں وہ مصر پر نگاہ ڈالتے اور اس کی قدیم تاریخ وتہذیب اور قاہرہ کے در و دیوار کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔انھوں نے اہرام اور ابوالہول کی حیرت انگیز تخلیق کے بارے میں مصر کے دیگر سفرنامہ نگاروں کی طرح تعریفی رائے دی ہے۔وہ شعائرِ اسلامی کے خلاف ورزی دیکھ کر اشتعال میں آجاتے ہیں۔وہ مولانا عبدالباری ندوی کے الفاظ دُہراتے ہوئے قاہرہ کو مغربی تہذیب سے مغلوب اور مقہور کہہ دیتے ہیں۔

یوں یہ سفرنامہ مصر کی قدیم تاریخ، قاہرہ کے در ودیوار اور وہاں کی تہذیب و معاشرت کی روداد کے ساتھ ساتھ ۲۰ویں صدی کے مصر کی جدید سماجی زندگی پر تنقید کا مرقع ہے۔

''ملکوں ملکوں شہروں شہروں'' از سحاب قزلباش:

سحاب قزلباش (۱۹۲۶ء تا ۲۰۰۴ء) ایک معروف براڈ کاسٹر اور ٹی۔وی فنکارہ تھیں۔اُن کا تعلق ایک ادبی گھرانے سے تھا۔ان کے والد آغا شاعر قزلباش فنِ شعرگوئی میں مرزا داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔سحاب قزلباش کی کتابوں میں ''بدلیاں'' (مختصر کہانیاں)، ''لفظوں کے پیراہن'' (مجموعۂ نظم)، یاداشتوں کے دو مجموعے: ''میرا کوئی ماضی نہیں'' اور ''روشن چہرے'' اور ایک سفرنامہ'' ملکوں ملکوں شہروں شہروں'' شامل ہیں۔(۵۰) ''ملکوں ملکوں شہروں شہروں'' ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔سحاب قزلباش کا مصر میں قیام بہت مختصر اور اتفاقیہ تھا اس لیے سفرنامے میں مصر کی روداد بھی مختصر ہے۔بحری جہاز پر لندن جاتے ہوئے مصر میں سحاب قزلباش کا عارضی پڑاؤ اس مختصر روداد کا باعث بنا۔

سحاب قزلباش نے عربی زُبان کے صوتی آہنگ اور دل کشی کو موضوع بنا کر اس حوالے سے مصر کی معروف مغنیہ اُمِ کلثوم سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔عربی زبان کی صوتی دل کشی کو جس طرح خاص طور پر سحاب قزلباش بیان کیا ہے اس طرح کسی دوسرے سفرنامے میں یہ ذکر نہیں ملتا۔

ایک کہانی کار ہونے کی وجہ سے سحاب قزلباش کا اندازِ بیان کچھ افسانوی سا ہے۔ وہ چند تاثراتی جملوں کو یک جا کر کے کوئی تصویر بنانے کی کوشش کرتی ہیں جس میں ان کا لب ولہجہ براڈکاسٹنگ والا لگتا ہے ۔ ایک تحریر کی حیثیت سے ان کے جملےبے ترتیب اور مبہم ہوتے ہیں۔یوں لگتا ہے جیسے وہ اپنے بے ربط خیالات کو ترتیب دینے سے قاصر رہی ہیں۔ایک مثال ملاحظہ ہو:

''زندگی سے خالی سوکھے چہرے جو نوٹوں کی گڈیاں دیکھ کر بھی مسکراہٹ سے خالی ۔ روزمرہ کا کام ہو جیسے جذبات سے عاری یہ تھا عدن شکر کہ پورا دن مجھے زمین پر بیٹھنا نصیب ہوا۔''(۵۱)

اس سفرنامے میں ایک اور کھٹکنے والی چیز اس کا غیر وضاحتی انداز ہے۔کئی شخصیات وواقعات کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ سفری روداد اُن لوگوں کے لیے لکھی ہے جو انھیں اور

اُن کے اقربا کو اچھی طرح جانتے ہیں کیوں کہ اُن کے ذاتی حالات سے ناواقف قاری کے لیے یہ سفر نامہ ایک ایسی مبہم تحریر ہے، جس میں چند بے ترتیب سی باتیں رقم کر دی گئی ہیں۔

''اسفارِ شب و روز'' از فاروق خالد:

فاروق خالد (پ:۲۷ مئی ۱۹۵۰) کو ۲۵ برس کی عمر میں لکھے گئے ناول ''سیاہ آئینے'' پر آدم جی ادبی ایوارڈ ملا۔ گزشتہ ۳۵ برس سے ایمسٹرڈم (ہالینڈ) میں مقیم ہیں۔ ہالینڈ میں ایک طویل عرصہ سے ڈچ ادب کو اردو میں منتقل کر رہے ہیں۔ ''اسفارِ شب و روز'' کے علاوہ فاروق خالد دو سفر نامے اور بھی لکھ چکے ہیں۔ ''پہیے کے اندر'' کے عنوان سے ان کا ایک سفر نامہ روزنامہ ''پاکستان'' لاہور میں ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا اور ''ایک پہیے پر'' کے نام سے دوسرا سفر نامہ آج کل ماہنامہ ''ادبِ لطیف'' میں قسط وار شائع ہو رہا ہے۔ (۵۲)

فاروق خالد کا سفر نامہ ''اسفارِ شب و روز'' ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔ اس کے صفحات کی تعداد ۶۲۰ ہے۔ یہ تین سفر ناموں کی کلیات ہے جس کو ''راہ نما راہیں''، ''ہم سفر راہیں'' اور ''درپیش راہیں'' کے عنوانات کے تحت تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں مصر کے سفر کی روداد بتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ (۵۳) فاروق خالد کے اسفار کے سلسلے میں یہ بات نہایت دل چسپ ہے کہ انھوں نے سفر کے عام ذرائع اختیار کرنے کی بجائے یہ تمام اسفار اپنی ذاتی جیپ (Jeep) پر کیے۔

مصنف نے اہرام، ابوالہول، اسکندریہ، کارنک کے معبد اور فراعنہ کے بارے میں کئی تاریخی معلومات مہیا کی ہیں۔ اس کے علاوہ اس سفر نامے میں مصر کی سیاحتی اہمیت اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف نے کئی مقامات پر قاری کو اپنے مختلف سیاحتی مشاہدات سے بھی آگاہ کیا ہے۔ فاروق خالد نے مختلف کمپنیوں کی جانب سے مصر کے مختلف مقامات کے لیے وضع کردہ مختلف پیکیجز (Packages) کا مفصل ذکر کیا ہے اس لیے یہ سفر نامہ نئے سیاحوں کے لیے نہایت معلومات افزا ہے۔

سفر نامے میں کئی جگہ پر منظر کشی کی خوب صورت مثالیں ملتی ہیں۔ فاروق خالد کا اسلوبِ بیان نپا تلا ہے۔ روزمرہ اور محاورہ کے بہتر استعمال کے ساتھ وہ اشعار کے حوالوں سے وہ اپنی تحریر کو ادبیت کا چھینٹا بھی لگاتے ہیں۔

''سفر نامۂ محبوبیہ'' از ع۔س۔مسلم:

شاعر، ناقد، مصنف اور سفر نامہ نگار ع۔س۔مسلم (عبدالستار مسلم، پ:۱۸ اپریل ۱۹۲۲ء) تجارت سے وابستہ ہیں اور ایک طویل عرصہ سے دوبئی میں مقیم ہیں۔ چالیس سے زائد کتابیں لکھ چکے ہیں جن میں ''کاروانِ حرم''، ''زمزمۂ اسلام''، ''زمزمۂ درود''، ''ایک ٹہنی کے پھول'' اور ''اوس'' اہم ہیں۔ انہوں نے کئی ممالک کی سیاحت کی۔ تین سفر نامے لکھے۔ پہلا سفر نامہ ''کشور کسریٰ تا سونا ر دیس''، دوسرا ''سفر اندر سفر'' اور تیسرا ''سفر نامۂ محبوبیہ'' ہے۔ (۵۴) ''سفر نامۂ محبوبیہ'' ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔ اگرچہ یہ سفر ع۔س۔مسلم نے ۱۹۶۱ء میں کیا تھا مگر وہ اسے ۲۰۰۳ء میں ضابطۂ تحریر میں لائے۔ یہ سفر نامہ ۲۵۲ صفحات اور سات ابواب پر مشتمل ہے۔ ان سات ابواب میں

سات ممالک ترکی، شام، لبنان، مصر، اردن، متحدہ عرب امارات اور سرزمینِ حجاز کی سفری روداد شامل ہے۔

مصر کی سفری روداد بہ عنوان ''وادیٔ نیل میں'' پندرہ صفحات پر مشتمل ہے۔ سفری روداد کے ساتھ ساتھ یہ تحریر مصر کے معاشرے کے عمومی رویے کا تجزیہ، وہاں پر عرب قومیت کا مسئلہ اُٹھائے جانے اور مختلف اُمور پر مصنف کے ذہن میں آنے والے خیالات کا مجموعہ ہے۔ سفرنامے میں ہمیں کئی مقامات پر مصر کی قدیم تہذیبی عناصر کے دوسری قدیم و جدید تہذیبوں سے موازنے کی کیفیت نظر آتی ہے۔ فرعون کا ذکر کرتے ہوئے ع۔س۔مسلم کو عصرِ حاضر کے فرعونی ذہن رکھنے والے حکمران یاد آنے لگتے ہیں:

> ''............ یہ سطور قلم بند کرتے وقت میری نگاہوں کو فرعون کے چہرے میں صدر جارج بش کا غضب آلود چہرہ دکھائی دے رہا ہے۔'' (۵۵)

ع۔س۔مسلم کے ذہن پر مذہب کی چھاپ خاصی گہری ہے۔ سب سے بڑے اہرام کی تعمیر کے بارے میں ع۔س۔مسلم نے قران حکیم کی سورہ القصص کی آیت نمبر ۳۸ کا حوالہ دیا ہے جو فراعنہ کے تعمیراتی رجحان کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ بات یقیناً اہم ہے کہ اس آیت کا ذکر ع۔س۔مسلم کے علاوہ دوسرے کسی سفرنامہ نگار حتیٰ کہ بڑے بڑے علما (مولانا مودودی اور مولانا تقی عثمانی وغیرہ) نے بھی اپنے سفرناموں میں نہیں کیا۔

ع۔س۔مسلم نے مصر نے دیگر سفرنامہ نگاروں سے ذرا مختلف انداز میں اہرام کی تعمیر پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے اِنھیں اُقلیدس، سائنس، ٹیکنالوجی اور ہندسہ، تمام علوم کے اعتبار سے ایک عجوبہ قرار دیا ہے جس پر آج کے انجینئر بھی حیرت میں ہیں۔(۵۶)

یہ سفرنامہ ع۔س۔مسلم کے سفری مشاہدات اور سفری تجربات سے زیادہ اُن کی قلبی و فکری واردات کا بیان ہے۔

''نہر سویز کے اُس پار'' از م۔ح۔سیّاح:

م۔ح سیاح (ملک منظور حسین، پ: ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۲ء) کیمسٹری کے استاد رہے۔ پندرہ ممالک کی سیّاحت کی۔ ''نہر سویز کے اُس پار'' کے علاوہ ان کا ایک اور سفر نامہ ''لاہور سے استنبول تک'' بھی شائع ہو چکا ہے۔(۵۷) م۔ح سیاح (ملک منظور حسین) کا سفرنامہ ''نہر سویز کے اُس پار'' نومبر ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔ یہ مصر اور لیبیا کے سفر کی روداد ہے۔ اسی حوالے سے اس سفرنامے کے دو ابواب ہیں۔ مصر کے سفر کی روداد کا عنوان بھی ''نہر سویز کے اُس پار'' ہے جب کہ لیبیا کا سفرنامہ ''عمر مختار کے دیس میں'' کے عنوان سے ہے۔ مصر کا سفرنامہ ۶۳ صفحات پر مشتمل ہے۔(۵۸)

اس سفری روداد کی کیفیّت کچھ مختلف ہے۔ مصنف اور اُن کے کچھ ساتھی سلوم بارڈر نامی مصر اور لیبیا کی سرحد پر تھے اور ان کے چار ساتھیوں کے ویزے کی معیاد کل تین دن یا بہتّر گھنٹے باقی تھی اسی لیے وہ اپنا ویزا ختم ہونے سے پہلے مصر چھوڑنا چاہتے تھے۔ (۵۹) یوں مصر کے اس سفر کے آغاز ایک ایسی کیفیت سے ہوا جس میں دل چسپی

ہرگز شامل نہیں تھی۔مصنف کے ساتھی کوششِ بسیار کے باوجود اور بقولِ مصنف ''فرعونی تہذیب کے پروردہ'' ایک ڈرائیور کی سستی کی وجہ سے وقتِ مقررہ تک مصر سے نہ نکل پائے اور اب انھیں ایک ہفتہ تک ایئر پورٹ ہی پر رہ کر اگلی فلائٹ کا انتظار کرنا تھا۔مصنف نے بھی پورا ایک ہفتہ ایئر پورٹ ہی پر دوستوں کی رفاقت میں رہنے کا فیصلہ کر لیا اور قاہرہ کی سیاحت کا پروگرام بعد کے لیے رکھ چھوڑا۔

ایئر پورٹ پر قیام کے ایک ہفتے میں آنے جانے والی مختلف پروازوں اور مسافروں کے مشاہدے کو مصنف نے اپنے سفرنامے میں شامل کر کے اس میں ایک منفرد موضوع کا اضافہ کر دیا ہے۔سفرنامے کے اس حصے میں مصر کے علاوہ دوسری تہذیبوں کی جھلک بھی نظر آتی ہے کیوں کہ مختلف پروازوں کے لیے آنے والے لوگوں کے اُٹھنے بیٹھنے اور عادات سے اُن کی تہذیبی روایات بھی مصنف کے سامنے رہیں۔دوستوں کے چلے جانے کے بعد ایک خاتون گائیڈ فاطن کی وسیع معلومات کے سبب مصنف کو اہرام، ابوالہول، نیل اور فراعنہ کا عجائب خانہ وغیرہ دیکھنے اور اُن کے رموز سمجھنے میں خاصی مدد ملی۔صرف یہی نہیں بل کہ فاطن کے گھر جا کر اور اعزّہ سے مل کر م۔ح۔سیّاح۔کو مصر کے موجودہ رسم و رواج سے آگاہی حاصل ہوئی۔

یہ سفرنامہ ایک سادہ اور نپے تلے اسلوب کا حامل ہے جس میں پرنٹنگ کی بے ترتیبی کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر خامی نہیں ہے۔

سیاح عموماً ایسے ممالک کی سیر کرتے ہیں جن کی تاریخ و تہذیب اور جغرافیائی حالات دل چسپ ہوں یا پھر جہاں مذہبی اور مقدس مقامات ہوں۔بعض لوگ سرکاری و تعلیمی غرض سے دوسرے ممالک جاتے ہیں اور اپنی سفری روداد کو سفرنامے میں ڈھال دیتے ہیں۔یوں متنوع اسفار کی بدولت متنوع سفرنامے معرضِ تحریر میں آتے ہیں۔اِس طرح سفرناموں کو سیاحتی، تعلیمی، تاریخی، مذہبی، سرکاری اور تاثراتی سفرنامے کی موضوعاتی اقسام میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔یہ بات یقیناً قابلِ توجہ ہے کہ جس طرح امریکہ اور یورپ کے سفرنامے تاریخی اور مذہبی نہیں ہو سکتے اِسی طرح سرزمینِ حجاز کی طرف محض سیاحتی مقصد کے تحت سفر نہیں کیا جا سکتا۔اِس حوالے سے سرزمینِ مصر دنیا کے اُن چند خطوں میں سے ایک ہے کہ جس کے سفرنامے ہر قسم کے اسفار کی روداد ہیں۔اس لیے مصر کے سفرناموں میں سفر نامے کی تمام تر موضوعاتی اقسام تلاش کی جا سکتی ہیں۔

مصر کی تاریخ اور قدیم تہذیب خاصی دل چسپ ہے۔پیغمبروں کی سرزمین ہونے کے ناتے یہاں پر مذہبی و مقدس مقامات کثرت سے ہیں اور اِس پر مزید طرّہ یہ کہ دنیا کے سات عجائبات (قدیم) میں سے دو (اسکندریہ کا روشنی کا مینار اور اہرامِ مصر) کا تعلق مصر سے ہے۔اسکندریہ کے جزیرۂ فارس پر تعمیر روشنی کا مینار ایک زلزلے میں منہدم ہو چکا مگر اہرامِ مصر جو کہ فراعنہ کے مقابر ہیں ہمیشہ سیاحوں کے لیے باعث کشش رہے ہیں۔ان خصائص کی بدولت دنیا بھر میں ''مصر'' سیاحت کے حوالے سے صفِ اوّل میں شمار ہوتا ہے نیز اِس ملک میں جانے والوں میں منصبی فرائض انجام دینے والے اور سرکاری و سفارتی تعلقات کی بنا پر سفر کرنے والے بھی شامل ہیں۔اِسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ قیامِ پاکستان سے پہلے بھی اور بعد میں بھی مصر کے کئی سفرنامے لکھے گئے۔جہاں تک اُردو

زبان میں لکھے گئے مصر کے سفرناموں کی روایت کا تعلق ہے تو اس حوالے سے بھی خطۂ مصر کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ یوسف خان کمبل پوش کا تحریر کردہ زبانِ اُردو کا پہلا سفر نامہ ''عجائباتِ فرنگ'' جزوی اعتبار سے مصر کا سفرنامہ بھی ہے۔(۶۰)

اس میں کچھ شک نہیں کہ سفرنامہ ایک مرغوب صنفِ ادب ہے۔ واقعہ نگاری، منظر نگاری، ادبیت اور اسلوب کی چاشنی سے سفرنامہ ایک پرکشش ادبی تخلیق بن جاتا ہے اور ان عناصر کی کمی اسے ایک خشک تحریر بھی بنا دیتی ہے۔ پاکستان میں لکھے گئے مصر کے اُردو سفرنامے کئی معتبر سفر نامہ نگاروں کی کاوش اور اسلوب کا تخلیقی مظہر ہیں۔ اِن سفرنامہ نگاروں نے پُر اسرار اور طلسماتی تہذیب رکھنے والی سرزمینِ مصر کے اسفار کو خوب صورت منظر نگاری اور رنگا رنگ اسالیب بیان میں ڈھال کر قارئین کے ذوق کی نذر کیا ہے۔ مصر کے یہ سفرنامے اُردو سفرنامہ نگاری کی روایت میں بیش قیمت سرمایہ ہیں۔

حوالہ جات:

(۱) نوشین بٹ، **الشیخ عبدالصمد صارم الازہری، حیاۃ و خدماۃ**، مقالہ برائے ایم۔اے، شعبۂ عربی، اورینٹل کالج پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، ۲۰۰۸ء

(۲) عبدالصمد صارم، **سفرنامۂ صارم**، ادارۂ علمیہ لاہور، ۱۹۵۰ء، ص۱۰۱

(۳) امیر خانم، **میرا سفر**، اشرف پریس، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص۲۹۷

(4) www.ferozesons.com/administration/Abdul_Hameed_Khan

(۵) عبدالحمید خان، **نظرے و خوش گزرے**، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۵۷ء

(۶) روبینہ بھٹی، **محمود نظامی بحیثیت سفرنامہ نگار**، مقالہ برائے ایم۔اے، شعبۂ اُردو و اقبالیات، اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور

(۷) محمود نظامی، **نظر نامہ**، گوشۂ ادب، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص۶۳

(۸) ایضاً ، ص۷۱

(۹) ایضاً ، ص۸۷

(۱۰) حلیمہ سعدیہ، **الشیخ محمد عاصم الحداد حیاۃ و خدماۃ**، مقالہ برائے ایم۔ے، شعبہ عربی، اورینٹل کالج پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، ۱۹۹۶ء، مقالہ نمبر ۲۵۸ع T

(۱۱) عاصم الحداد، **سفرنامہ ارض القرآن**، الفیصل ناشران و تاجران اُردو بازار، لاہور، ۲۰۰۳ء

(12) en.wikipedia.org/wiki/jamiluddin_aali

(۱۳) جمیل الدین عالی، **دنیا مرے آگے**، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، اشاعت دوم، ۱۹۷۵ء

(۱۴) اختر ریاض الدین بیگم، **سات سمندر پار**، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، طبع اوّل، ۱۹۶۴ء

(15) en.wikipwdia.org/wiki/Ibn_e_Insha

(۱۶) ابن انشاء، ''آوارہ گرد کی ڈائری سے''، لاہور اکیڈمی، لاہور، طبع ہفتم، ۱۹۸۰ء، ص۲۲۱

(۱۷) ایضاً ، ص۲۶۴

(۱۸) ایضاً ، ص۲۷۱

(19) www.urduyouthforum.org/biography/Mahirul_Qadri_biography.php

(۲۰) ماہرالقادری، ''سیاحت نامہ''، مرتب: طالب ہاشمی، حسنات اکیڈمی پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، باراوّل، ۱۹۸۷ء، ص۲۳۷

(۲۱) ایضاً ، ص۲۱۸

(۲۲) ماہرالقادری، **سیاحت نامہ**، ص۲۲۰

(۲۳) عبدالستار، **حج نامے کی روایت میں مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں کا مقام**، مقالہ برائے ایم۔فل، شعبۂ اُردو، اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور، ۲۰۰۷ء

(۲۴) مستنصر حسین تارڑ، **خانہ بدوش**، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۴ء

(۲۵) ایضاً ، ص۳۴۳

(26) en.wikipwdia.org/wiki/Shafiq_ur_Rehman_(humorist)

(۲۷) شفیق الرحمٰن، **دجلہ**، غالب پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۰ء

(۲۸) جمیل جالبی، ڈاکٹر، (پیش لفظ) **سورج کے ساتھ ساتھ**، از: ذکیہ ارشد حمید، مکتبہ ہم زبان، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص۷

(۲۹) ذکیہ ارشد حمید، **سورج کے ساتھ ساتھ**، ص۱۰

(۳۰) تقی عثمانی، محمد، مولانا، **جہانِ دیدہ**، ادارۂ معارف، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص۱۴۵

(۳۱) رفیق ڈوگر، **اور نیل بہتا رہا**، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص۱۷۴۔۱۷۳

(۳۲) ایضاً ، ص۱۷۳

(۳۳) ایضاً ، ص۱۸۱

(34) archives.dawn.com/weekly/books/archive/050508/books16.htm

(۳۵) تاب عرفانی، رانا، **سماعت کی آنکھ**، عالمی لائبریری بے بصر مصنفین، لاہور، ۱۹۹۲ء

(۳۶) اے۔بی۔اشرف، ڈاکٹر، **ذوقِ دشت نوردی**، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۰ء ص۲۷۸

(۳۷) ایضاً ، ص۲۴۸

(۳۸) نجیب جمال، ڈاکٹر، **ندوۃ النیل**، اُردو اکیڈمی، بہاول پور، ۲۰۰۴ء، ص۴۶

39. en.wikipwdia.org/wiki/Kausar_Niazi

(۴۰) کوثر نیازی، مولانا، **سفر ہے شرط**، جنگ انٹر پرائزز، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص۱۹۴

(۴۱) سعید، محمد، حکیم، **نقشِ سفر**، ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی، باراوّل، ۱۹۹۹ء، ص۴۰۷

(42) live.dbpedia.org/page/Muhammad_Mazhar_Baqa

(۴۳) مظہر بقا، محمد، **یادگار سفر**، بقاء پرنٹرز اینڈ پبلشرز، ۱۹۹۹ء، ص۲۹

(۴۴) سلیم عالم، **قصہ شہر نوردی کا**، بزم تخلیق ادب، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص۱۰۱۔۱۰۰

(۴۵) ایضاً ، ص۹۵

(۴۶) ٹیلی فونک انٹرویو ڈاکٹر حسین احمد پراچہ، بتاریخ ۳ مارچ ۲۰۱۳ء، بوقت ۶:۳۰ بجے شام

(۴۷) حسین احمد پراچہ، ڈاکٹر، **کنارے کنارے**، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص۲۴

(48) en.wikipwdia.org/wiki/Wahiduddin_Khan

(۴۹) وحید الدین، مولانا، **سفرنامہ غیر ملکی اسفار** (حصہ دوم)، دار التذکیر، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص۳۳۸

(50) archives.dawn.com/2004/07/31/local14.htm

(۵۱) سحاب قزلباش، **ملکوں ملکوں شہروں شہروں**، مکتبہ دانیال، کراچی، ۲۰۰۲ء، ص۱۳

(۵۲) فاروق خالد، **مرسلہ ای-میل** از ایمسٹرڈیم، ہالینڈ، بتاریخ ۲۶ جنوری ۲۰۱۳ء

(۵۳) فاروق خالد، **اسفارِ شب وروز**، جنگ پبلشرز، لاہور، اشاعت اوّل، ۲۰۰۴ء

(۵۴) عبید اللہ، محمد، **اُردو حمدیہ اور نعتیہ شاعری میں ع-س-مسلم کا مقام**، مقالہ برائے ایم۔فل، شعبۂ اُردو واقبالیات، اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور، ۲۰۰۹ء

(۵۵) ع-س-مسلم، **سفرنامۂ محبوبیہ**، القمر انٹر پرائزز، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص۷۱

(۵۶) ایضاً ، ص۷۳

(۵۷) ٹیلی فونک انٹرویو، م-ح-سیاح، بتاریخ ۱۵ اگست ۲۰۱۲ء، بوقت ۱۱:۰۰ بجے دن

(۵۸) م-ح-سیاح، **نہر سویز کے اُس پار**، اُردو خواں، لاہور، اشاعت اوّل، ۲۰۰۹ء

(۵۹) ایضاً، اس بارڈر پر وہ کیسے اور کہاں سے پہنچے اس بارے میں محض سفر نامے سے کوئی عقدہ وا نہ ہونے پر مصنف سے بذریعہ ٹیلی فون رابطہ کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ دراصل اس سفرنامے کو کتابی صورت میں ترتیب دیتے وقت یہ غلطی ہو گئی کہ مصر کا سفرنامہ پہلے اور لیبیا کا بعد میں چھپ گیا حالانکہ وہ پہلے لیبیا گئے تھے اور بعد میں زمینی راستے کے ذریعے لیبیا کے سلوم بارڈر ہی سے مصر میں داخل ہوئے تھے۔

(۶۰) یوسف خان کمبل پوش، **عجائباتِ فرنگ**، مرتب: تحسین فراقی، مکہ بکس، لاہور، ۱۹۸۳ء